مولانا محمد علی جوہرؒ کے سیاسی افکار

پروفیسر عظمیٰ علی اختر
لیکچرار شعبہ اردو، ڈی اے کالج برائے خواتین ڈیفنس اتھارٹی کراچی

Prof. Uzma Ali Akhtar

ABSTRACT:

Political Ideology

The country of origin of M.A Jauhar was Najeebabad District Bajnor, which is in U.P. He was Born in December 1878 in Rampur. His grandfather was highly placed in Rampur. His father, Abdul Ali Khan was also a notable figure of the district.

Muhammad Ali and Shaukat Ali were sent to Muhammadin Anglo Oriental College for higher education, where they excelled due to their intelligence and hard work. Muhammad Ali also excelled at the Aligarh College by obtaining the first position. He then proceeded to the U.K. and remained there for four years for perusing studies at the Oxford University for a degree in Arts in the English Language. He obtained the B.A. degree in 1902 and returned to Rampur to become the Secretary, Education. In 1910 Muhammad Ali launched his own English weekly

magazine by the name of "Comrade" Both the brothers were jailed in 1910 by the British Rulers after they suspected them to be a part of the Pan Islamic Movement. The task of making the constitution started, with Pandit Nehru, a leading expert lawyer as the chairman of this committee.

Though the object of movement for caliphate was to protect the interests of the Usmania Caliphate and for the rule of Muslims in the Arabian Hemisphere.

A historical conference of the caliphate Movement was held in Karachi from July 8, 1921 under the Presidentship of Muhammad Ali Jauhar.

رئیس الاحرار، قائد ملت مولانا محمد علی جوہر کا آبائی وطن نجیب آباد ضلع بجنور تھا۔ جو کہ یو۔ پی میں واقع ہے۔ ان کی ولادت دسمبر ۱۸۷۸ء میں ریاست رام پور میں ہوئی۔ مولانا کے دادا ریاست رام پور میں اعلیٰ عہدے دار تھے۔ ان کے تمام اقرباء اردو، فارسی اور عربی میں اعلیٰ دستگاہ رکھتے تھے۔ رام پور کے معززین وشرفاء میں اس خاندان کے بزرگوں کو بلند مقام حاصل تھا۔ مولانا محمد علی کے والد بھی جن کا نام عبدالعلی خان تھا۔ ریاست کے ایک ممتاز اہلکار تھے اور والئی ریاست نواب یوسف علی خان کے مقربین خاص میں سے تھے۔ اس خاندان کو والیانِ ریاست میں سے کسی نے ''خان'' کا خطاب دیا تھا لیکن اکثر اصحاب نے اپنے نام کے ساتھ ''خان'' لکھنے سے گریز کیا۔ عبدالعلی خان کے پانچ صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھیں۔ والد کی وفات کے بعد محمد علی کی والدہ ماجدہ محمدی بیگم جو بی اماں کے نام سے مشہور ہوئیں نے پانچ بچوں کی پرورش بڑے احسن انداز سے کی خود زیادہ تعلیم نہیں پائی تھی صرف معمولی اردو لکھنا پڑھنا جانتی تھیں اور قرآن مجید مع ترجمہ تک کی قابلیت تھی تاہم اولاد کو جدید تعلیم سے آراستہ کیا۔ غالباً رام پور میں گڑھ کے پہلے

گریجویٹ مولانا شوکت علی تھے۔ ان کے بڑے بھائی ذوالفقار علی خان اعلیٰ تعلیم حاصل کرکے انگریز حکومت میں اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے وہ شاعر بھی تھے اور گوہر تخلص کرتے تھے۔ محمد علی اور شوکت علی کو محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میں اعلیٰ تعلیم کی غرض سے بھیجا گیا۔ علی گڑھ کی تعلیم کے دوران غیر معمولی ذہانت اور محنت کے سبب دونوں برادران نے اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ محمد علی نے صرف علی گڑھ سے ہی نہیں بلکہ الہ آباد یونیورسٹی سے جس کا اس زمانے میں علی گڑھ کالج کا الحاق تھا، اوّل نمبر سے کامیاب ہوئے، محمد علی جوہر انگلستان گئے اور آکسفورڈ یونیورسٹی میں انگریزی میں بی اے پاس کرنے کی غرض سے چار سال وہاں مقیم رہے۔ بی اے پاس کرنے کے بعد انڈین سول سروس کے امتحان کی تیاری کی، لیکن قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اس بارے میں محترم میر محفوظ علی بدایونی نے جو ان کے ایک مخلص سینئر ساتھی اور مستند ادیب تھے بالکل بجا فرمایا ہے، لکھتے ہیں:

''جب محمد علی ولایت کو روانہ ہوئے تو ان کے دماغ پر عقل مآل اندیش کا قبضہ تھا۔ مگر اُن کے دل پر عشق مصلحت ناشناس کا غلبہ تھا اور ان کے مستقبل کی تشکیل میں دونوں کی رقابت ومناقشت کارفرما تھی۔ عقل کی رائے تھی کہ وہ مسٹر ایم علی آئی سی ایس بنائے جائیں، مگر عشق کی صلاح کہ رئیس الاحرار مولانا محمد علی بنیں۔ عقل کی مرضی تھی کہ وہ انصاف کی کرسی پر بٹھائے جائیں، مگر عشق کی خوشی کہ الزام کے کٹہرے میں کھڑے ہوں۔ عقل نے انہیں سزا دینے کا طریقہ اختیار کرنے کا مشورہ دیا مگر عشق نے سزا پانے کا سلیقہ سکھانا چاہا۔ عقل نے ان کے لئے جج کا چغہ اور وزارت کا خلعت مگر عشق نے جیل کا کرتہ اور حج کا احرام پہنانا چاہا۔ عقل کا مشورہ تھا کہ وہ بریڈ لا اور انگر سال کے زمرۂ شاگردی میں جائیں مگر عشق کا فتویٰ تھا کہ اویس قرنیؓ اور بلالؓ کے حلقۂ غلامی میں آئیں۔ غرض یہ کہ عقل کا

فیصلہ تھا کہ وہ یزید مگر عشق کا مشورہ تھا شہید ہوں، اس کشاکش میں آخر کار
عشق ہی کامیاب ہوا یعنی محمد علی سول سروس کے امتحان میں ناکام ہو گئے۔
یہ اس میدان کی پہلی فتح تھی اور مکتبہ عشق کا پہلا سبق تھا'' (۱)

یہ عشق تھا اسلام کا، خدمت و نصرتِ دین کا، امت مرحومہ کی حفاظت ناموس کا اور مسلمانوں کی صلاح وفلاح اور بہبود کا۔ اسی کے ایک معمولی اشارے نے بعد میں ریاست بڑودہ کی ملازمت سے پہلے برداشتہ خاطر اور پھر بیزار کیا، محمد علی جو ابھی مسٹر محمد علی بی اے (علیگ) اور بے اے (آکسن) تھے۔ ۱۹۰۲ء میں بی اے کی ڈگری آکسفورڈ سے لے کر اپنے وطن ریاست رامپور آئے۔ اور ریاست کی شرط کے مطابق وہاں سیکریٹری تعلیمات مقرر ہوئے ۱۹۱۰ء میں محمد علی نے کلکتہ سے اپنا ذاتی انگریزی ہفت روزہ ''کامریڈ'' جاری کیا۔ جس نے ہندوستان کی دنیائے صحافت میں ایک دلچسپ اور حیرت انگیز اضافہ کیا۔ اس اخبار کے اداریے اور مضامین تاریخ صحافت میں اپنی مثال آپ ہیں۔ مظاحیہ کالم ''گپ'' اس قدر مقبول ہوا کہ بڑے بڑے انگریز صحافیوں اور افسروں میں اس کا چرچا ہونے لگا۔ اس وقت کا کمشنر دہلی جو ایک انگریز تھا اور مولانا کا بے تکلف دوست تھا، کا کہنا تھا کہ ''اس وقت انگلستان میں بھی اس پایہ کوئی اخبار شائع نہیں ہوتا'''' کامریڈ'' اس زمانے میں دہلی سے شائع ہو رہا تھا۔ کیونکہ مولانا ۱۹۱۱ء میں تقسیم بنگال کی تنسیخ کے بعد وائسرائے ہند کے دفاتر کلکتہ سے منتقل ہوکر دہلی آ گئے تھے، اور اس طرح دارالحکومت کلکتہ کے بجائے دہلی ہو گیا تھا۔ اس وقت مولانا بھی اپنا اخبار ''کامریڈ'' کلتہ سے دہلی لے آئے تھے، اور کوچۂ چیلاں میں ایک وسیع کوٹھی میں یہ دفتر تھا اور مولانا مع خاندان وہیں رہائش پذیر تھے۔ اس کا خاص سبب یہ تھا کہ کونسل وغیرہ کے دفاتر بھی دہلی آ گئے تھے، اور ان کی کارروائیوں پر تبصرہ ونکتہ چینی کرنے میں سہولت ہوتی تھی۔ انہوں نے دہلی کے قیام کے زمانے میں صحافتی زندگی کے ساتھ سیاسی مشاغل میں بھی پوری طرح حصہ لینا شروع کر دیا تھا، اوران کی زندگی کا رُخ ہی نئے طرز و اسلوب پر نظر آنے لگا۔ محمد علی ہر سرکاری محفل کی جان سمجھے جاتے تھے

لیکن ملک اور مسلمانوں کے سیاسی حالات دیکھ کر انہوں نے پہلے صحافت کے ذریعے تحریزی طور پر سیاست میں شرکت شروع کی۔ بعد میں کانگریس کے رکن اور ممتاز رہنما بن کر قومی سیاست میں نمایاں حصہ لینا شروع کر دیا۔ اس کے ساتھ مسلمانانِ عالم کو متحد و متفق کرنے اور تعمیر سیرت و کردار اور حصولِ آزادی کی بیداری پیدا کرنے کے لئے مسلمانانِ عالم کی ہر ممکن خدمت کا عزم کیا تاکہ دنیا بھر کے مسلمان باہمی اتحاد و اتفاق سے اپنے دینی و ملی فرائض و حقوق کا بخوبی تحفظ کرنے کے قابل ہو سکیں۔ آخر ملت اسلامیہ میں رونما بیداری کی غرض سے مولانا نے اتحادِ عالم اسلام کی بنیاد ڈالی۔ بنیادی طور پر اس تخیل کے بانی علامہ جمال الدین افغانی تھے۔ اس زمانے میں دہلی سے مولانا محمد علی اپنے دونوں انگریزی اور اردو اخبار نکال رہے تھے ان سیاسی سرگرمیوں کے نتیجہ میں انگریز حکام کو ان سے بدظن کر دیا اور دونوں بھائیوں نے خود بھی انگریز دوستی سے رفتہ رفتہ کنارہ کشی اختیار کرنا مناسب سمجھا۔ مولانا شوکت علی اگرچہ اس زمانے میں سیاست میں شریک نہیں تھے لیکن برطانوی حکام کو ان پر بھی شبہ ہوا، غرض یہ کہ پان اسلام ازم کی تحریک کے نتیجے میں حکومت نے دونوں بھائیوں کو گرفتار کر لیا، اور ۱۹۱۰ء میں مہرولی کے قبضے میں جو دہلی کے ضلع میں تقریباً شہر سے پندرہ سولہ میل دور ہے اور وہاں حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کی درگاہ اور قطب مینار واقع ہیں نظر بند کر دیا، اور بغیر کسی مقدمے کے چار سال تک نظر بند رکھا۔ بی اماں نہایت شکر و صبر کے ساتھ دونوں لاڈلے بیٹوں کی اسیری پر مطمئن بلکہ بڑی حد تک خوش تھیں کہ خدا نے ان کے بیٹوں کو دین اور قوم کی خدمت کے لائق بنایا۔

نظر بندی کے دوران کئی بار ''علی برادران'' کو بعض اعلیٰ حکام نے جا کر اپنی سرگرمیوں اور حکومت کی مخالفت سے باز رکھنے کے لئے کوششیں کیں اور اس کے بجائے بڑے بڑے سرکاری عہدے حتیٰ کہ محمد علی کو وائسرائے کی کونسل میں شامل ہونے کی پیشکش کی۔ لیکن ہر بار دونوں بھائیوں نے اسے رد کر دیا۔ اس زمانے میں جب بی اماں کو یہ اطلاع ملی کہ انگریزی حکومت علی برادران کو اپنی طرفداری پر آمادہ کرنے کے لئے عہدے پیش کر رہی ہے تو انہوں نے بیٹوں کو یہ

پیغام بھیجا کہ ایسی رہائی اور آزادی جس سے خاندانی اور دینی وقومی غیرت کو ٹھیس پہنچے یا غلامی کی زندگی کسی بڑے عہدے کو قبول کر کے اختیار کرو۔

اگر تم دونوں میں سے کسی نے گوارا کی تو یاد رکھو نہ کبھی تمہاری صورت دیکھوں گی اور نہ دودھ بخشوں گی۔ ایسی قید جس سے دین اور وطن کو فائدے کی امید ہو ہزار درجہ آزادی سے بہتر ہے۔ مرنا گوارا کر لینا، مگر حکومت سے ہرگز صلح نہ کرنا، نہ کوئی عہدہ قبول کرنا''۔

علی برادران نے ماں کو اطلاع کرائی کہ

''میا! آپ بالکل فکر نہ کریں ہم آپ کے اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر قائم ہیں اور انشاء اللہ قائم رہیں گے ہمارے لئے دعا کیجئے کہ کبھی راہِ حق سے نہ بھٹکیں۔''

آخر ۲۵ دسمبر ۱۹۱۹ء کو جو شاہی اعلان عام سیاسی اسیروں کی رہائی کا ہوا اس کے تحت علی برادران کو بھی رہا کر دیا گیا۔ مولانا جوہر نے جو اس موقع پر غزل کہی تھی اس کا ایک شعر زیادہ حسب حال تھا

یہ نظربندی تو نکلی ردِ سحر　　　دیدۂ ہوش اب جا کر کھلے

اس موقع پر علی برادران کا سارے ملک میں ہندو مسلمانوں اور سکھوں نے بڑے جوش وخروش سے خیر مقدم کیا۔ امرتسر میں انہی دنوں نیشنل کانگریس کا سالانہ اجلاس ہونا تھا۔ چنانچہ مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی دونوں سیدھے امرتسر پہنچے۔ اس شاندار جلوس میں جو علی برادران کی آمد پر نکالا گیا تھا ہزاروں لوگوں نے شرکت کی۔ اس میں کانگریس کے سارے بڑے بڑے لیڈر شریک تھے۔ علامہ اقبال نے اجلاس میں شرکت کر کے علی برادران کو خراجِ عقیدت وتحسین پیش کرنے کی غرض سے ایک نظم پڑھی جس نے اجلاس میں ایک عجیب کیفیت پیدا کر دی، حاضرین نے متفقہ طور پر ''انقلاب زندہ باد'' ''علی برادران زندہ باد'' کے نعرے لگائے، یہ زمانہ ہندو مسلم اتحاد کا ایک خوشگوار زمانہ تھا۔

''کانگریس کی طرف سے مسلمانوں کے غیر مشروط اور شریفانہ تعاون کا مسئلہ نہرو رپورٹ کی صورت میں دیا گیا۔ یہ ہندوستان کا وہ آئین تھا جسے کانگریس کی سرپرستی میں پنڈت موتی لال نہرو نے اپنے رفقاء کار کے اشتراک و تعاون سے تیار کیا تھا۔ اس وقت کے وزیر ہند برکن ہڈ نے ایک چیلنج دیا تھا کہ ہندوستانیوں میں اتنی پھوٹ ہے کہ وہ اپنا متفقہ و متحدہ دستور بھی نہیں بنا سکتے، کانگریس نے یہ چیلنج قبول کرلیا اور دستور سازی کا کام شروع کردیا۔ پنڈت نہرو بہت بڑے ماہر آئین و قانون تھے۔ انہی کی صدارت میں دستور ساز مجلس مرتب کی گئی، مجلس خلافت کی طرف سے مسٹر شعیب قریشی اس کے رکن تھے۔ اب تک مسلمان غیر مشروط تعاون کررہے تھے، اب تک وہ بغیر کسی صلہ کے جہاد حریت میں شرکت کررہے تھے، اب تک بغیر کسی مطالبہ کے ہندوستان کو برطانوی سامراج کے پنجے سے چھڑانا چاہتے تھے، وہ پوری نیک نیتی کے ساتھ یہ سمجھ رہے تھے کہ ہندوستان آزاد ہو، پھر باہمی مسائل طے ہوتے رہیں گے۔ حصوں کی تعین اور تقسیم ہوتی رہے گی، لیکن اب ہندوستان کا دستور حکومت بن رہا تھا۔ برطانوی وزارت کی منظوری اور ہندوستان میں نفاذ کے لئے ایک دستور تیار ہورہا تھا۔ جس میں بتایا گیا تھا کہ اکثریت کی حیثیت کیا ہوگی اور اقلیت کی پوزیشن کی ہوگی؟ اب ناممکن تھا کہ مسلمان خاموش رہتے، کوئی وجہ نہیں تھی کہ وہ سکوت سے کام لیتے جب تک حق اور حصے کا سوال نہیں اٹھا تھا وہ چپ تھے، لیکن جب حق کی تعیین ہونے لگی اور حصہ تقسیم ہونے لگا تو وہ کیوں خاموش رہتے؟ اگر آج خاموش رہتے تو انہیں کل بولنے کا حق کیوں ملتا؟ نہرو رپورٹ کے واضعین نے اگر بطور خود مسلمانوں کے حقوق اور مطالبات تسلیم کرلئے ہوتے تو کوئی بات نہیں تھی، لیکن ایسا نہیں ہوا، شعیب قریشی کے پیہم اصرار کے باوجود نہیں ہوا، آخر وہ الگ ہوگئے، پنڈت نہرو نے خلیق الزماں وغیرہ سے کام چلایا اور نہرو رپورٹ کو ہندوستان کا متفقہ دستور بنا کر پیش کردیا۔(۲)

سب سے پہلے اس روش کے خلاف صدائے احتجاج جناب مولانا شوکت علی نے بلند کی اور پھر محمد علی جوہر کا نعرہ گونجا۔ ان دونوں بھائیوں کی قیادت میں مسلمانوں نے نہرو رپورٹ

کے قبول کرنے سے انکار کردیا۔علی برادران نے مجلس خلافت کی طرف سے گاندھی جی سے کہا کہ وہ مسلمانوں کے مطالبات منظور فرمالیں تاکہ اس جنگ حریت میں مسلمان ان کا ساتھ خلوص قلب سے دیں، لیکن انہوں نے کہا کہ پہلے آزادی پھر بات چیت، مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ غیر مشروط طور پر اس جنگ میں ہمارا ساتھ دیں۔اگر انہوں نے ہمارا ساتھ نہ دیا تو وہ نقصان میں رہیں گے کیونکہ آزادی ہم تنہا حاصل کرلیں گے۔

''گو تحریک خلافت کا مقصد ابتداء میں خلافت عثمانیہ کا تحفظ اور جزیرۃ العرب پر مسلمانوں کا قبضہ تھا، لیکن کارکنانِ خلافت نے فوراً بعد ہی اپنے مقاصد میں ''حصولِ سوراج'' بھی داخل کرلیا، جو مذکورہ دو مقاصد کے حصول کا ذریعہ بھی تھا اور بجائے خود ایک مقصد عظیم بھی، دنیا گواہ ہے کہ تحریک ترکِ موالات کے علمبردار اور روح رواں کارکنانِ خلافت ہی تھے اور اقلیت میں ہونے کے باوجود ''تارکِ حوالات'' کی حیثیت سے جانی قربانیاں دینے والوں اور جیل جانے والوں میں مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ غالب رہی ہے۔''(۳)

''محمد علی جوہر جمہوریت کے علمبردار ملوکیت اور شخصی حکومت سے سخت بیزار تھے۔وہ جمہوریت کو اس حد تک پسند کرتے تھے کہ یہ نظریہ گویا ان کا عقیدہ بن گیا تھا۔وہ کسی صورت میں بھی ملوکیت اور شخصی حکومت کو گوارا نہیں کرسکتے تھے ہمیشہ ملوکیت کے نقائص و مفاسد کو ظاہر کرتے تھے۔انتہا یہ ہے کہ وہ بادشاہ، شاہ، نواب، راجہ، مہاراجہ وغیرہ الفاظ کو بھی سننا گوارا نہیں کرتے تھے۔''(۴)

مہاراجہ الور کی سالگرہ کا جشن منایا جارہا تھا، یہ مہاراجہ محمد علی کے مداحوں میں سے تھے، ہندوستان کے متعدد زعماء کو مدعو کیا گیا تھا۔محمد علی کو بھی بلایا گیا تھا، اس موقع پر محمد علی جوہر نے تقریر

کی اس میں اپنے اور مہاراجہ کے تعلقات کا ذکر کیا، ساتھ ہی ملوکیت کے بارے میں بھی اپنے خیالات ظاہر کردیئے۔ انہوں نے فرمایا:

"مہاراجہ الور میرے گہرے دوست ہیں اور میں ان کے اچھے اخلاق اور ان کی دماغی صلاحیتوں کا معترف ہوں، لیکن جہاں تک ملوکیت کا تعلق ہے وہ میرے حلقۂ تصور سے دور ہے۔" (۵)

اسی طرح وطن پروری اور وطن پرستی کے فرق کو محمد علی نے جس طرح سمجھا اور اس پر عمل کیا اس کا اظہار ان کی تقریر اور تحریر میں ہر جگہ نظر آتا ہے۔ چنانچہ انڈین نیشنل یونین پر جس کی پنڈت موتی لال نہرو نے ۱۹۲۹ء میں بنیاد رکھنا چاہی تھی۔ محمد علی جوہر نے ان الفاظ میں تنقید کی:۔

"بے سوچے سمجھے کمال تعیم سے یہ کہہ دینا کہ "کمیونزم" یا "ملیت" "نیشنلزم" یا قومیت کے منافی ہے اس سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا کہ کوئی شخص قوم پروری کے جوش میں لوگوں کو اپنے خاندان کی پرورش اور ان کی تنظیم سے منع کرتا پھرے، قومیت کو منتہائے نظر بنانا یورپ کی تقلید جامد ہے اور "وطنیت" خود "وثنیت" یعنی بت پرستی ہے، اسلام وطن پرور ہے مگر وطن پرست نہیں۔" (۶)

وہ اپنے وطن کی غلامی کو ایک ثانیہ کے لئے بھی برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ چنانچہ ان کی گول میز کانفرنس کی تقریر کا یہ ٹکڑا کہ:

"میں آج جس مقصد کے لئے یہاں آیا ہوں وہ یہی ہے کہ میں اپنے ملک کو اسی حالت میں واپس جاؤں جب آزادی کا پروانہ میرے ہاتھ میں ہو، میں ایک غلام ملک کو واپس نہیں جاؤں گا۔" (۷)

ان کے اسی جذبۂ حب الوطنی، وطن پروری اور ایک آزاد ہندوستان کی خواہش کا آئینہ

کراچی میں ۸۔۹۔۱۰ جولائی ۱۹۲۱ء میں محمد علی جوہر کی زیر صدارت خلافت کانفرنس کا تاریخی اجلاس منعقد ہوا۔ اس میں مولانا حسین احمد مدنیؒ، پیر غلام مجدد سندھی، ڈاکٹر سیف الدین، شوکت علی اور متعدد رہنماؤں نے شرکت کی۔ اسی زمانے میں حضرت محمود الحسن شیخ الہند مہاجر مکیؒ نے اپنا شہرۂ آفاق فتویٰ شائع کرایا تھا۔ جس میں حکومت انگریز سے ترکِ موالات کے لئے تلقین کی گئی تھی۔ اس فتوے پر برصغیر کے کم وبیش پانچ سو علمائے کرام کے دستخط تھے، جس کے ذریعے سے حکومت کے ساتھ معاملات کو حرام قرار دے دیا گیا تھا، سرکاری ملازمتیں ترک کرنے نیز خطابات واپس کرنے کی تاکید کی گئی تھی۔ ان حالات میں جب کراچی کے اجلاس کی کارروائی کا آغاز ہوا تو مولانا حسین احمد مدنی نے ایک قرارداد پیش کی، جس میں مطالبہ کیا گیا کہ برطانوی حکومت کی فوج میں مسلمانوں کے لئے ملازمت کرنا شرعاً حرام ہے۔ اس لئے کوئی مسلمان فوج میں ملازمت نہ کرے اور مسلمان فوجیوں تک یہ ہدایت پہنچادی جائے۔ تاکہ وہ اپنی اپنی ملازمتوں سے مستعفی ہو جائیں، کیونکہ برطانوی افواج ترکیہ خلافت اور دوسرے مسلم ممالک کے خلاف جنگ کررہی ہے۔ مسلمانوں کو اپنے مسلمان ترک اور دوسرے بھائیوں کے خلاف برطانیہ کی مدد کے لئے جنگ کرنا جائز نہیں ہے، یہ اجلاس نہایت کامیابی سے اختتام پذیر ہوا، اس کے بعد ہی مولانا محمد علی اور ان کے بھائی شوکت علی کو گرفتار کرلیا گیا اور ان کے خلاف انگریز حکومت کی فوج میں بغاوت پھیلانے کے جرم میں مقدمہ قائم کیا گیا۔ کچھ عرصہ محمد علی جوہر اور ان کے بھائی شوکت علی بغیر مقدمہ کراچی کی سنٹرل جیل میں بند رہے، اس کے بعد انہیں بیجاپور جیل بھیج دیا گیا۔

اس مقدمے کی سماعت کراچی کے خالق دینا ہال میں شروع ہوئی۔ محمد علی جوہر نے فرنگی ججوں کے سامنے جو جوابی تقریر کی وہ نہایت مدلل اور قانونی حیثیت سے ایسی تھی کہ سرکاری وکیل اور سی۔ آئی۔ ڈی کے حکام تو کجا جیوری کے جج صاحبان بھی سر بگریباں نظر آتے تھے کہ ان ملزموں کو مجرم کس طرح ثابت کریں اور کیونکر اسیر کریں۔ محمد علی کی جرأت وہمت اور عزیمت واستقامت کا سب سے زیادہ اظہار اس مقدمہ کے درمیان ہوا۔ یہ ایسا موقع تھا جس پر بڑے بڑوں کے قدم

ڈگمگا جاتے، کیونکہ اس وقت انہیں جس جرم میں پھانسا گیا تھا وہ ایسا سنگین جرم تھا جس کی سزا پھانسی یا کالا پانی ہوسکتا تھا۔ لیکن مولانا نے یہ سب نتائج وعواقب جانتے ہوئے حق وصداقت کے دامن کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور کسی وقت بھی مصلحت کوشی کو کام میں لاکر انہوں نے غلط بیانی اور پست ہمتی کو اپنے عمل کی اساس نہیں بنایا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر مولانا نے جس بلند حوصلگی، حق گوئی اور دلیری کا ثبوت دیا اس کی مثالیں دنیا کی تاریخ میں بہت کم ملتی ہیں۔ مقدمہ کراچی مولانا کی زندگی کا وہ واقعہ ہے جس میں ان کی پوری آزمائش ہوگئی اور مخالفین بھی ایک مرتبہ ان کی ہمت، دینی حمیت وغیرت اور ملک وقوم کے لئے جاں فروشی کے جذبہ کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکے، تمام مقدمے کی کارروائی کے بعد محمد علی نے ایک بیان دیا جس کا خلاصہ یہ ہے:

> ''اسلام میں صرف ایک ہی بادشاہیت تسلیم کی گئی ہے، اور وہ خدائے تعالیٰ کی بادشاہت ہے، جو غیر مشروط اور غیر منقسم اور غیر منتقل ہے، اگر ہندوستان کے مسلمانوں کے پاس حکومت سے تصفیہ کرنے کے لئے ذرا بھی موثر قوت ہوتی تو احکام اسلامی کی رو سے حکومت کے خلاف اعلانِ جہاد کر دینے پر مجبور ہوتے اور موجودہ قضیہ کا تصفیہ خالق دینا ہال کے بجائے کسی اور جگہ ہو رہا ہوتا، اگر ایسی قوت نہ ہو جو ایک قابلِ افسوس امر ہے تو (مسلمانوں کو) ہجرت کرنی چاہئے۔ جہاں ان کو مذہبی عقائد کی بناء پر کوئی سرکار ستانے اور پریشان کرنے والا نہ ہو۔''(۸)

اس کارروائی اور اس بیان کے بعد عدالت نے یہ فیصلہ دیا کہ محمد علی جوہر کو دفعہ ۵۵ تعزیرات ہند کے تحت دو برس قید بامشقت کی سزا سنادی گئی، ان کے ساتھ دیگر ملزمان کو بھی دو دو برس قید کا حکم سنادیا گیا اور سب جیل بھیج دیئے گئے، محمد علی اور ان کے رفقاء کے جیل جاتے ہی سب کی زبان پر یہ ترانہ جاری ہوگیا:

کہہ رہے ہیں کراچی کے قیدی ہم تو جاتے ہیں دو دو برس کو

اس کے علاوہ اور بھی بہت سی نظمیں لکھی گئیں اور لوگوں کے ورد زبان رہیں، لیکن سب سے زیادہ مقبول یہ نظم ہوئی:

بولیں اماں محمد علی کی — جان بیٹا خلافت پہ دیدو
ساتھ تیرے شوکت علی بھی — جان بیٹا خلافت پہ دیدو
بوڑھی اماں کا کچھ غم نہ کرنا — کلمہ پڑھ کر خلافت پہ مرنا
پورے اس امتحاں میں اترنا — جان بیٹا خلافت پہ دیدو
ہوتے میرے اگر سات بیٹے — کرتی سب کو خلافت پہ صدقے
ہیں یہی دین احمد کے رستے — جان بیٹا خلافت پہ دیدو
حشر میں حشر برپا کروں گی — پیش حق تم کو لے کر چلوں گی
اس حکومت پہ دعویٰ کرونگی — جان بیٹا خلافت پہ دیدو

مولانا محمد علی اور ان کے رفقاء کی گرفتاری کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ ان کی چلائی ہوئی تحریک دبنے کے بجائے اور تیزی سے ابھری، جس ریزولیوشن پر محمد علی کو گرفتار کیا گیا تھا اس کو قوم نے ہر طرح سے متعدد بار دہرایا، اور حکومت کو دعوت دی کہ علی برادران کو جس جرم میں گرفتار کیا گیا وہی جرم ہم اور پوری قوم کر رہی ہے، لہٰذا ہمیں اور قوم کے تمام افراد کو بھی گرفتار کیا جائے۔ اس قید کے دوران دونوں بھائیوں پر بڑی سختیاں کی گئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں کی صحت متاثر ہوئی، محمد علی جوہر کی زندہ دلی بڑی حد تک ان عوارض کا مداوا کرتی رہی اور کسی نہ کسی طرح انہوں نے قید کی یہ مدت پوری کی۔

اس عرصے میں ان کی شاعری نے کافی فروغ پایا انہوں نے متعدد غزلیں کہیں۔ محمد علی جوہر دلیر سپاہی تھا قوم و وطن کی خاطر آخری سانس تک میدان جنگ میں لڑتے لڑتے شہید ہوا۔ تاریخ صحافت میں ان کا تذکرہ ذریں حروف سے لکھا گیا۔ دنیائے سیاست ان کے نام پر سدا فخر کرے گی۔ آئندہ نسلیں اس بہادر جرنیل کی شاندار اور دلیرانہ موت پر قیامت تک مدحت سرائی

اور تقلید کریں گی۔ ملت کی مائیں اپنے بچوں کو اس کی زندگی کے عظیم کارنامے سنا کر عزم و استقلال کا سبق پڑھائیں گی۔

میر محفوظ علی بدایونی نے ایک مضمون میں محمد علی جوہر کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''مولانا محمد علیؒ عجیب خوش نصیب شخص تھے جنہیں جینا بھی خوب آتا تھا اور مرنا بھی خوب آیا، جو عملاً دکھا گئے کہ زندگی چاہے شروع اپنے ذاتی عیش ہی کے خیال سے کی جائے مگر ختم دوسروں کے آرام کی خاطر ہونی چاہئے۔ جن کی قسمت میں ایک سچے خدا پرست مسلمان کی زندگی لکھی تھی اور ایک مجاہد کی موت جو اللہ کے عاشق تھے۔''(۹)

محمد علی جوہر کے اندر ارادے کی مضبوطی اور رائے کے استقلال کا یہ عالم تھا کہ جو بات غور و فکر کے بعد اپنے نزدیک صحیح سمجھ کر طے کر لی، پھر اس سے تجاویز کرنا بعید از امکان تھا اس کی ایک مثال تو کامریڈ و ہمدرد کا اجراء ہے کہ کوڑی پاس نہیں مگر اتنے بڑے کام کو شروع کر دیا۔

پروفیسر رشید احمد صدیقی لکھتے ہیں:

''محمد علی کی زندگی کے مختلف نشیب و فراز تھے۔ کس کی زندگی میں نہیں ہوتے لیکن ان کی موت نے ہر نشیب کو فراز اور ہر راز کو پر شوکت بنا دیا۔ محمد علی کو بدتوفیقوں اور بدمذاقوں سے سابقہ پڑا اسے بدتوفیق اور بدمذاق جو بھوکے تھے بوالہوس اور اکثر کینہ پرور بھی محمد علی نے ان سب سے انتقام بھی لیا، لیکن اپنی زندگی میں نہیں بلکہ اپنی موت سے۔''

مولانا محمد علی جوہر تحریر و تقریر میں ایک بے مثال حیثیت کے مالک تھے، اردو انگریزی اور فارسی زبانوں پر انہیں حیرت انگیز قدرت حاصل تھی۔ صحافت، تاریخ، سیاست اور ہر علمی ادبی شعبہ میں بے عدیل و بے نظیر تسلیم کئے جاتے تھے، مولانا کی ہمہ دانی قابل رشک و لائق فخر تھی، مولانا بذلہ سنجی اور برجستہ گوئی میں بھی کمال رکھتے تھے، حالانکہ شدید علالتوں اور سیاسی وصحافتی

مصروفیات کی الجھنوں کے علاوہ معاشی افکار میں بھی مبتلا تھے۔ اس کے باوجود طالب علمانہ زندگی کے زمانہ سے لے کر آخر دم تک حتیٰ کہ گول میز کانفرنس کی انقلاب انگیز تقاریر میں بھی ان کی شگفتہ بیانی اور لطیفہ گوئی جاری رہی۔

مشہور انگریز مورخ ایچ۔ جی۔ ویلز نے کہا:

محمد علی جوہر "میکالے کا قلم"، "برک" کی زبان اور نپولین کا دل رکھتے تھے۔"

مولانا جوہرؒ وہ بے مثل یگانہء روزگار شخصیت کے حامل تھے، جو علم و عمل میں اعلیٰ کمالات اور حسن اخلاق و عادات میں بے نظیر ہونے کے ساتھ ہمہ صفت موصوف دین و وطن اور ملت کے لئے اپنی حیات عزیز کا ایک ایک لمحہ وقف کئے رہے۔ انہوں نے سن شعور کو پہنچ کر برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کی آزادی کے حصول، فلاح و بہبود اور تمام دنیائے اسلام کی سربلندی کے لئے ہر ممکن طریقہ سے کارہائے عظیم انجام دیئے۔

دنیا بھر کے مسلمانوں کا درد ان کے دل میں تھا۔ سیاست میں ان کا لوہا سب نے مانا، موتی لال نہرو اور جواہر لال نہرو معترف تھے کہ انہوں نے سیاست مولانا محمد علی سے سیکھی۔ گاندھی جی مدت تک کہا کرتے تھے کہ "میں تو مولانا محمد علی کی جیب میں ہوں" مولانا کی گرج سے حکومت برطانیہ کے ایوانوں میں زلزلے آتے تھے۔

مختصر یہ کہ مولانا محمد علی جوہر کی زندگی ایک مخلص، وفاکش، جانباز، زعیم ملت کی زندگی تھی، اور ان کی وفات ایک متقی مردِ مومن، مجاہد اسلام اور شہید کے انداز میں ہوئی کہ انہوں نے مسلمانانِ برصغیر کے حقوق اور ملک کی آزادی کے حصول کی خاطر اغیار سے سیاسی جنگ لڑتے ہوئے پائی جان عزیز فدا کی اور اللہ جل شانہ نے مرحوم کو سرزمین قدس میں آخری آرام گاہ کے لئے جگہ عطا فرمائی۔

بقول علامہ اقؔ

خاک قدس اور ابد آغوش تمنا در گرفت

حواشی وحوالہ جات

۱۔ مضمون ''محمد علی کی یاد میں'' از میر محفوظ علی بدایونی، حیات جوہر عشرت رحمانی، مقبول، اکیڈمی لاہور، ص۳۸۴

۲۔ جوہر اسپیشل سیریز، علی برادران، مرتبہ: سید رئیس احمد جعفری، کاروانِ آزادی کا کوچ، محمد علی اکیڈمی، لاہور، ص۵۷۴

۳۔ مولانا محمد علی جوہر، حیات اور تعلیمی نظریات مولف: ثناالحق صدیقی، ایجوکیشنل پریس کراچی، ص۱۶۲

۴۔ علی برادران جوہر اسپیشل سیریز، مرتبہ: رئیس احمد جعفری، محمد علی اکیڈمی، لاہور، ص۵۷۶

۵۔ محمد علی جوہر حیات اور تعلیمی نظریات، مولف: ثناالحق صدیقی، ایجوکیشنل پریس کراچی، ص۱۶۳

۶۔ محمد علی جوہر حیات اور تعلیمی نظریات، مولف: ثناالحق صدیقی، یجوکیشنل پریس کراچی، ص۱۶۰

۷۔ محمد علی جوہر حیات اور تعلیمی نظریات، مولف: ثناالحق صدیقی، یجوکیشنل پریس کراچی، ص۱۶۱

۸۔ محمد علی جوہر حیات اور تعلیمی نظریات، مولف: ثناالحق صدیقی، یجوکیشنل پریس کراچی، ص۹۱

۹۔ حیاتِ جوہر: عشرت رحمانی، مقبول اکیڈمی لاہور، ص۳۸۶

آؤ قلم کو ھاتھ میں لو

ملاؤ ہاتھ سبھی صلح و آشتی کے لئے — پڑھے لکھے ہو تو آؤ قلم کو ہاتھ میں لو
نکل نہ جائے کہیں وقت ہاتھ سے بے دام — کرو نہ دیر سفیر حرم کو ہاتھ میں لو
تمہارے ہاتھ قلم ہو گئے تو کیا ہوگا — ہے اب بھی وقت رہ محتشم کو ہاتھ میں لو
پکڑ لو ایسا راستہ فلاح مل جائے — تم اپنے پاؤں سے نقش قدم کو ہاتھ میں لو
پکڑلو ایسا راستہ فلاح مل جائے — تم اپنے پاؤں سے نقش قدم کو ہاتھ میں لو
بچاؤ راہزن وقت سے کتاب حیات — حدیث پاک شفیع الامم کو ہاتھ میں لو
خدا کے واسطے اپنے قلم کو ہاتھ میں لو

جھاد اور دھشت گردی کا فرق سیرتِ طیبہ ﷺ کی روشنی میں

مصنّف

پروفیسر ڈاکٹر صلاح الدین ثانی

مکتبہ یادگار شیخ الاسلام پاکستان علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

(زیر طبع)